ابنِ صفی ..... صفیہ صدیقی

جلتے ہُوئے کہتے ہو، قیامت کو ملیں گے
کیا خوب، قیامت کا ہے گویا کوئی دِن اور ...

ابنِ صفی، رِشتے میں میرے بہنوئی تھے لیکن میرے ساتھ اُن کا برتاؤ ایک مشفق بھائی اور ایک دوست جیسا تھا۔ وہ اپنی خوش اخلاقی، خلوص اور محبّت کی وجہ سے سسُرال میں بے حد مقبول تھے۔ بزرگ، اُنہیں اپنے بیٹوں کی طرح چاہتے تھے۔ چھوٹے جہاں ابنِ صفی کی حیثیت سے اُن کے گرویدہ تھے، وہیں بڑے بھائی کی مانند اُن کی عزّت بھی کرتے اور محبّت بھی۔ آج جب کہ وہ پُر بہار شخصیت، ہم سے جُدا ہو چکی ہے، ہمارے دِلوں کا جو عالم ہے، اس کا علم صرف خُدائے عزّوجل کو ہے۔ یہ یقین ہی نہیں

آتا کہ وہ ہمیں چھوڑ کر، خالقِ حقیقی سے جا ملے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ بس کسی لمحے، اسرار بھائی کسی دروازے سے نکل کر آئیں گے، ہاتھ میں بٹوا ہوگا اور مُنہ میں پان ... پُوچھیں گے۔ "کہو بھئی، صفیہ کیسی ہو؟ بچے کیسے ہیں؟"

اُن کے نام کے آگے 'مرحوم' لگا ہُوا دیکھ کر مجھے بہت غصّہ آتا ہے۔ بھلا فریدی، حمید اور عمران جیسے جان دار کرداروں کو تخلیق کرنے والا انسان، خود کیسے مرحوم ہو سکتا ہے؟ میرا یقین ہے کہ ؎

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
وہ حقیقت میں کبھی ہم سے جُدا ہوتے نہیں

ابنِ صفی بہت ہی بھلے انسان تھے۔ خوش اخلاقی، مہمان نوازی، محبت، خلوص اور خُدا ترسی ان میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہُوئی تھی۔ تنگ ظرفی اور تنگ نظری، اُن کو چھُو کر بھی نہیں گزری تھی۔ دولت اور حشمت کی انہیں قطعی پروا نہ تھی... اُن کی کتابیں بے حد مقبول تھیں لیکن وہ اپنی مقبولیت پر نازاں تھے، مغرور نہیں۔ وہ، ان قارئین کے مشکور رہتے جو اُن کی کتابیں پڑھتے تھے۔ اُنہوں نے کبھی دعوا نہیں کیا کہ میں لکھتا ہی ایسا ہُوں کہ لوگ پسند کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنی مقبولیت کا خود کبھی تذکرہ ہی نہیں کیا۔ نہ خود کو کبھی اتنا اُونچا سمجھا کہ دوسرے، اُن سے جُھک کر ملنے پر مجبور ہو جائیں۔

تقریباً بیس سال سے دیارِ غیر میں قیام پذیر ہونے کی وجہ سے میری یادیں بھی مختصر سی ہو کر رہ گئی ہیں جب کبھی میں، پاکستان آئی، میرا سارا وقت صرف رشتے داروں اور عزیزوں سے رسمی طور پر ملنے ملانے ہی میں ختم ہو گیا۔ کچھ لوگوں کو اس کا افسوس رہا کہ وہ جی بھر کر مجھ سے نہ مل سکے اور کچھ لوگوں سے تفصیلی مُلاقات کی خواہش لیے، میں چلی گئی... اور ان لوگوں میں ابنِ صفی سرِفہرست تھے۔ جب میں نے انگلستان کے ایک اردُو اخبار کے لیے لکھنا شروع کیا تو میں ہمیشہ یہی سوچتی رہی کہ ابنِ صفی کا اِنٹرویو لینا چاہیے کیونکہ یورپ میں ایسے لوگوں کی تعداد خاصی ہے جو ابنِ صفی کی کتابوں کے دلدادہ ہیں۔

جب میں لندن گئی تھی تو اس وقت، ابنِ صفی ایک طویل بیماری سے صحت یاب ہو رہے تھے۔ وہ زیادہ تر خاموش بیٹھے رہتے تھے، بات چیت بالکل نہیں کرتے تھے... میں کئی مرتبہ اپنی بہن سے مِلنے گئی لیکن ابنِ صفی کو بالکل چُپ سادھے بیٹھے پایا۔ ایسا لگتا تھا گویا وہ ہم سب کے وجود ہی سے بے خبر ہیں۔ اُنہوں نے مجھ سے صرف اتنا پُوچھا تھا۔ "لندن جا رہی ہو؟" اُن کو دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہوتی تھی اور میں دِل و جان سے اُن کی صحت کی دُعائیں مانگتے ہُوئے عازمِ سفر ہو گئی... پھر کچھ روز بعد، اُن کے رُو بصحت ہونے کی خبر ملی اور جب وہ بالکل صحت یاب ہو گئے تو اُنہوں نے مجھے ایک تفصیلی خط لکھا جو حسبِ عادت طنز و مزاح سے پُر تھا۔ اُنہوں نے مجھ سے پُوچھا تھا۔ "کیا اب بھی تم پردے کی بوبو ہو؟" میں نے جواب میں لکھا تھا کہ میاں پردہ کہاں، وہ تو مَردوں کی عقل پر پڑ گیا ہے۔

وہ اپنی پُر لطف شخصیت کے باعث اپنے خاندان میں ایک مُنفرد حیثیت رکھتے تھے۔ چٹکلے اور بذلہ سنجی جو اُن کی تحریروں نمایاں ہیں، وہ اُن کا صرف تحریری انداز نہیں ہے وہ عملی زندگی میں بھی اپنے کرداروں کی مانند پھلجھڑیاں چھوڑتے، چٹکیاں لیتے اور بقول شخصے ٹانگ گھسیٹتے رہتے تھے۔ ۱۹۵۸ء سے ... ۱۹۶۱ء تک میں، راولپنڈی میں قیام پذیر تھی اور ابنِ صفی اپنے دلچسپ خطوں سے ہم سب کو محظوظ کیا کرتے تھے۔ گھر کا ہر فرد، اُن کے خط کو پڑھتا اور اُن کے دلچسپ جُملوں کا لُطف اُٹھاتا۔ گو کہ ان یادوں کے چہرے بھی وقت کی رفتار کے ساتھ دُھندلا چکے ہیں لیکن مجھے ایک دو جُملے یاد ہیں جو میں نے بھی اکثر استعمال کیے۔ جیسے "حالات کی بدستوریت قائم ہے" یا "بچّوں کی خدمت میں آداب اور بڑوں کو پیار۔"

ایک بار، انہوں نے ایک محفل میں لوگوں کے بے حد اصرار پر ایک غزل سُنائی جو شاعری کے قواعد و ضوابط کے لحاظ سے مکمل تھی لیکن معنی کے لحاظ سے بالکل مہمل... کچھ لوگوں نے دلچسپی سے یہ غزل سُنی اور اُن کو داد دی۔ کچھ لوگوں نے بڑے غور و خوض سے اس غزل کو سُننے کے بعد، اس کو نہ سمجھنے پر اس خیال سے کہ یہ کوئی اُونچی چیز ہے جو اُن کے دائرۂ عقل سے باہر ہے، اُس کی خوب تعریف کی تاکہ اُن کی کم عقلی کا علم دوسروں کو نہ ہو۔ ایک بُزرگ خاتون نے جو دوپٹے سے سر ڈھانپے، بہت ہی محویت کے ساتھ سُن رہی تھیں، سر ہلا ہلا کر خوب تعریف کی اور بولیں۔ "کیا اللہ، رسول کی بات کی ہے۔"

ابنِ صفی ایک بہترین شاعر، اعلا درجے کے مصنّف اور پائے کے مزاح نگار بھی تھے۔ اُن کی تحریریں شگوفے ہیں، لطافت ہے،

شیرینی ہے۔ وہ جاسوسی ناولوں کے ذریعے، عوام کو معاشرے کی بُرائیوں سے آگاہ کرتے تھے۔ اُن کی سُتھری تحریر صرف ایک مشغلہ ہی نہ تھی، وہ اس کے ساتھ ساتھ، ہمیں جو پیغام دیتے تھے، اس میں حُبّ الوطنی کا پیغام سب سے زیادہ اُجاگر ہوتا تھا۔ تفریح جس طرح ایک تھکے ہُوئے جسم کے لیے ضروری ہے، بیسویں صدی کے اس ترقی یافتہ دور میں، ذہنی آسودگی کا جو فقدان ہے، اس لیے تفریحی ادب بھی ہمارے بوجھل اور فکروں سے تھکے ہُوئے دماغ کے لیے بے حد ضروری ہے۔

ابنِ صفی کا نام اُردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہے گا کیونکہ اُنہوں نے اُردو ادب میں جاسوسی ناولوں کی بُنیاد ڈالی۔ ورنہ اس سے قبل تو انگریزی ناولوں اور افسانوں کے ترجموں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ ابنِ صفی کے جاسوسی ناول اُردو زبان میں لکھے گئے۔ اُن کے خصوصی کردار اور پس منظر، قطعی طور پر ہمارے اپنے ہیں۔ غیر مُلکی کردار بھی ہیں لیکن وہ ٹھونسے نہیں گئے ہیں بلکہ اُن کی وجہ سے کہانی اور بھی دلچسپ اور جان دار ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو مجھے بہت حیرت ہوتی ہے کہ اُن کے بعض کردار ایسے جیتے جاگتے ہیں کہ وہ غیر ملکی ہونے کے باوجود اس ایشیائی پس منظر میں بھی فِٹ ہو جاتے ہیں۔

شائستہ اختر سہروردی نے ۱۹۴۹ء میں اُردو ادب پر اپنے تحقیقی مقالے میں لکھا تھا کہ جس ناول کے کردار، جیتے جاگتے کردار بن جائیں وہ ناول، کلاسیکی ناول بن جاتا ہے۔ جیسے انگلش میں "جین ایئر" و "ورنگ ہائٹ" اور "میٹس آف دی ڈے بروِل" ہیں۔ اُردو میں اُمراؤ جان ادا" اور "توبۃ النصوح" وغیرہ ہیں۔ تو کیا جاسوسی دُنیا کے فریدی، حمید، عمران سیریز کے "عمران"، جوزف اور جولیانا" جیسے زندگی سے بھرپُور کردار، اُردو ادب میں زندہ نہیں رہیں گے؟ جب کہ اُردو میں جاسوسی ناول نگار، ابنِ صفی سے پہلے کوئی تھا نہ اُن کے بعد کوئی نظر آتا ہے۔ ابنِ صفی کی رحلت سے اُردو ادب کو جو نقصان پہنچا ہے، اُس کی تلافی مستقبل قریب میں تو ممکن نظر نہیں آتی۔ ہمیں تو اب بھی یقین نہیں آتا کہ ابنِ صفی، ہم میں نہیں ہیں۔ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک بھیانک خواب ہے ؎

یادِ ماضی ہے کہ نیزے کی اَنی کیا کہیے
ذہن میں ایسی چبھن، ایسی چبھن ہوتی ہے